غیر مسلم حکومت کی اطاعت اور اس کے ساتھ تعلق کے حدود و ضوابط

(جنوبی ایشیاء کے فقہاء کی آراء و فتاوٰی کے تناظر میں)

از:

محمد سعد اللہ

''مدیر مجلّہ منھاج دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور''

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

اہل علم سے مخفی نہیں کہ تدوین فقہ کے ابتدائی ادوار میں جبکہ اسلام اور اہل اسلام کو دنیا میں سیاسی غلبہ وعروج حاصل تھا۔ کئی ممالک/ علاقوں میں اسلامی حکومتیں قائم تھیں اور مسلمان عصر حاضر کی طرح غیر مسلم ممالک میں بالعموم مستقل رہائش پذیر تھے نہ انہیں ایسی مجبوری درپیش تھی، تو فقہاء و مجتہدین کو کم ہی ضرورت پیش آئی کہ وہ ایک مسلمان کیلئے ''غیر مسلم حکومت کی اطاعت اور اس کے ساتھ تعلق کے حدود و ضوابط،، کے شرعی احکام و مسائل تفصیل سے مرتب کرتے۔ تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ جن دور بین اور باریک بین فقہاء کی نظر ''تقدیری مسائل،، تک پہنچ گئی تھی، ان کی نظروں سے یہ مسئلہ اوجھل رہتا۔ چنانچہ فقہاء نے جیسا کہ آگے آئے گا، اس مسئلہ کو ''باب استیلاء الکفار،، کے ذیل میں بیان کیا ہے۔

بہر کیف آج کل حالات چونکہ بالکل بدل چکے ہیں۔ اسلام کا عالمی سیاسی غلبہ قصہ پارینہ بن چکا ہے۔ بیشتر غیر مسلم ممالک میں مسلمان عرصہ سے اقلیت کے طور پر آباد ہیں، البتہ انہیں وہاں اپنے کاروبار، ملازمت، مذہب وعقیدہ اور شخصی وانسانی حوالے سے وہ حقوق اور آزادی حاصل ہے جو مسلمانوں کو کئی مسلمان ملکوں میں بھی حاصل نہیں۔ اور اگر بالفرض کسی غیر مسلم ملک میں مقیم مسلمان جذبہ

ایمانی اور بعض فقہاء کی رائے کے مطابق من حیث الجماعت کسی اسلامی ملک کی طرف ہجرت کرنا چاہیں تو شاید کوئی بھی اسلامی ملک انہیں مستقل شہریت دینے اور ان کی آباد کاری کیلئے ضروری اقدامات کرنے کیلئے تیار نہ ہو تو ایسی اضطراری صورت حال میں ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کا اپنے حالیہ سیمینار بعنوان ''جنوبی ایشیاء میں اسلامی قانونی فکر اور ادارے،، میں زیر نظر موضوع پر تحقیق کرانا لائق تحسین ہے۔ چنانچہ مقالہ ہذا میں ''غیر مسلم حکومت کی اطاعت اور اس کے ساتھ تعلق کے حدود وضوابط،، کے حوالے سے درج ذیل چند اہم مسائل کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے اور اس جائزہ کو سیمینار کے جلی عنوان کی رو سے صرف جنوبی ایشیاء کے فقہاء اور مفتی صاحبان کی رائے وفتوٰی تک محدود رکھا گیا ہے۔

ا۔ غیر مسلم حکومت کی اطاعت ووفاداری کا مسئلہ

اس مسئلہ میں جنوبی ایشیاء/ برصغیر کے فقہاء کی فقہی آراء وفتاوٰی کے ملاحظہ سے قبل یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ قرآن وسنت کی تعلیمات، پیغمبر اسلام ﷺ کا ذاتی اسوہ حسنہ اور خلفاء راشدین کا طرز عمل (جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں) اس امر پر گواہ ہیں کہ اسلام دنیا میں ہر طرح کی اصلاح وفلاح اور امن وامان کا علمبردار اور ہر قسم کے فساد، بگاڑ، بدامنی، ظلم، تشدد، دہشت گردی، تخریب کاری، خوف وہراس اور خون ریزی کے خاتمہ کا داعی ہے۔ وہ رنگ، نسل، مذہب، عقیدہ اور وطن کی تفریق وامتیاز کے بغیر ہر انسان کو (سوائے محارب کے) جینے کا حق دیتا، اس کی جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ کو یقینی بناتا اور اس کے دیگر انسانی حقوق کی حفاظت وپاسداری کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی طرح ہر انسان کے ساتھ نیکی، احسان کا بدلہ احسان وشکریہ اور ہر قسم کی خیانت ودھوکہ دہی سے ممانعت بھی اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے جوامع الکلم کے شاہکار ارشاد پر مشتمل شریعت کا عام اور مستقل اصول ہے کہ ''**لا ضرر ولا ضرار**،، یعنی کسی کو تکلیف دینا ہے اور نہ خود تکلیف اٹھانا ہے۔ اسلام کی انہی تعلیمات کے پیش نظر فقہاء نے تجارت کی غرض سے دار الحرب میں داخل ہونے والے مسلمان تاجر کیلئے کفار کے جان ومال سے تعرض کو ناجائز بلکہ غدر قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ مرغینانی نے لکھا ہے:

"اذا دخل المسلم دارالحرب تاجرا فلایحل له ان یتعرض بشی من اموالهم ولا من دمائهم لانه ضمن ان لایتعرض لهم بالاستیمان فالتعرض بعد ذالک یکون غدراً والغدر حرام الا اذا غدر بهم ملکهم فاخذ اموالهم اوحبسهم او فعل غیره بعلم الملک ولم یمنعه لانهم هم الذین نقضوا العهد بخلاف الاسیر لانه غیر مستامن فیباح له التعرض وان اطلقوه طوعاً" [۲]

(اگر کوئی مسلمان بغرض تجارت دارالحرب میں داخل ہوا تو اس کے لئے حلال (جائز) نہیں کہ کفار کے مالوں یا جانوں سے کچھ تعرض کرے۔ کیونکہ اس نے اپنے امان لینے سے یہ عہد کرلیا کہ کفار سے تعرض نہیں کرے گا تو اس کا تعرض کرنا غدر (دھوکہ) ہے اور غدر بالاجماع حرام ہے، لیکن اگر مسلمان تاجر کے ساتھ کفار کے بادشاہ یا حکومت نے غدر کیا اوران کے اموال چھین لیے یا ان کو قید کر دیا، یا حکومت کے علم کے باوجود دوسرے کفار نے ایسا کیا اور بادشاہ نے نہیں روکا تو مسلمان تاجر پر عہد نہیں رہا- کیونکہ کفار نے خود عہد توڑا۔ بخلاف اس کے اگر کفار کسی مسلمان کو قید کر کے اپنے ملک میں لے گئے تو وہ جو چاہے کرے، کیونکہ اس نے امان کا عہد نامہ نہیں کیا ہے۔ بس اس کو ہر طرح کا تعرض مباح ہے، اگرچہ کافروں نے اس کو اپنی خوشی سے رہا کیا ہو)۔

یہ حکم اس مسلمان کا ہے جو مستقل شہری تو اسلامی ریاست کا ہے مگر عارضی طور پر تجارت یا کسی دوسری غرض سے امن وامان کا عہد کر کے (ویزہ لے کر) دارالحرب میں داخل ہوتا ہے-اب جو مسلمان مستقل شہری ہی کسی غیر مسلم ملک کا ہے تو اس کیلئے بدرجہ اولی ضروری ہوگا کہ وہاں حکومت کیلئے امن وامان کا کوئی مسئلہ پیدا نہ کرے- کیونکہ شہری ہونے کے ناطے سے گویا اس کا حکومت کے ساتھ یہ معاہدہ ہے کہ حکومت اس کے جان ومال اور دوسرے حقوق کے تحفظ کی ضامن ہوگی اور یہ حکومت کے قوانین نیز اسے کوئی فائدہ نہیں تو کم از کم اسے کوئی نقصان نہ پہنچانے کا پابند ہوگا اور اور معاہدہ اور شرط کی پابندی کا شرعی واخلاقی طور پر ضروری ہونا اور ہر قسم کی بدعہدی، خیانت اور فریب کاری کا شرعاً ممنوع ہونا محتاج بیان نہیں-

علاوہ ازیں ارشاد ربانی: ﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَکُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ﴾ (جب تک وہ لوگ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو) کی رو سے بھی عدم اطاعت اور بے وفائی کا جواز نہیں بنتا-لہذا غیر مسلم ملک میں رہتے ہوئے وہاں کی غیر مسلم حکومت کی اطاعت، وفاداری اور تعاون

سے اگر کسی مسلمان کے بنیادی عقائد پر زد نہیں پڑتی، اس کی جان و مال کے تحفظ اور حلال حرام کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں کسی دوسرے اسلامی ملک اور امت مسلمہ کا مجموعی طور پر کوئی نقصان ہے اور اس کے برعکس یعنی عدم اطاعت و وفاداری کی صورت میں اسے جانی مالی اور مذہبی اعتبار سے کئی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ تو مشہور فقہی اصول "من ابتلی ببلیتین فعلیه ان یختار اهونهما"[۳] کی رو سے غیر مسلم حکومت کی اطاعت و وفاداری اور اس کے ساتھ جائز تعاون میں شرعاً کوئی قباحت اور حرج نظر نہیں آتا۔

اس کے علاوہ تمام احکام شریعت میں یُسر (آسانی) پائے جانے کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾[۴]

(اللہ کریم تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا)

اس آیت کی تفسیر میں مشہور حنفی فقیہ اور مفسر امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں:

"وهذه الآية اصل في ان كل ما يضر بالانسان ويجهده ويجلب له مرضا او يزيد في مرضه انه غير مكلف به لان ذالك خلاف اليسر نحو من يقدر على المشي الى الحج ولا يجد زادا وراحلة فقد دلت الاية انه غير مكلف به على هذا الوجه لمخالفته اليسر"[۵]۔

(یہ آیت کریمہ اس چیز میں ایک مستقل اصل ہے کہ ہر وہ حکم جو انسان کو نقصان پہنچائے، اسے مشقت میں ڈالے اور اس کے واسطے بیماری یا بیماری میں اضافہ کا باعث بنے تو انسان ایسے حکم کا مکلّف نہیں کیونکہ وہ حکم یسر (آسانی) کے خلاف ہے۔ مثلاً یہ کہ ایک آدمی حج کیلئے چلنے پر تو قدرت رکھتا ہے مگر زادِ راہ اور سواری اس کے پاس نہیں تو یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اس صورت میں حج کا مکلّف نہیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں حج کا مکلّف ٹھہرانا یسر کے خلاف ہے)۔

البتہ کسی غیر مسلم حکومت کے ساتھ کسی بھی نیت سے ایسے تعاون یا ایسی وفاداری اور خیر خواہی کی گنجائش نظر نہیں آتی جس کے نتیجے میں کسی اسلامی حکومت کے مفادات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ جس کی نظیر فتح

مکہ سے پہلے محض اہل مکہ کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے (نہ کہ کسی بد نیتی سے) بدری صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا وہ خفیہ خط ہے جسے انہوں نے اہل مکہ کے لیے ریاست مدینہ کی جاسوسی کرتے ہوئے لکھوا کر ایک خاتون کے ہاتھ روانہ کیا تو حضور ﷺ نے نگاہ نبوّت سے دیکھ کر حضرت علی المرتضیٰؓ اور دیگر دو صحابہ کے ذریعے رستے سے اس خط کو برآمد کروالیا اور حضرت حاطبؓ سے فرمایا: یا حاطب ما ھذا ؟ اے حاطب یہ کیا ماجرا ہے؟ مگر جب انہوں نے عذر پیش کیا تو اس جرم پر حضرت عمرؓ کی اس خواہش کے باوجود کہ ان کی گردن اڑا دی جائے، آپ ﷺ نے ان کا عذر قبول کرتے ہوئے معاف فرما دیا۔[۸]

اسی طرح نبی رحمت ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو عامل بنا کر جب یمن بھیجا تو یہ ہدایت فرمائی کہ:

"یسرا و لا تعسرا و بشرا و لا تنفرا و تطاوعا"[۶]

(احکام کے نفاذ میں اہل یمن پر آسانیاں پیدا کرنا اور دشواریاں پیدا نہ کرنا۔ اسی طرح انہیں اطاعت پر اجروثواب کی بشارت سنانا اور (ڈرا ڈرا کر) دین سے متنفر نہ کر دینا۔ نیز تمام امور میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کرنا)

ایک دوسری حدیث میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ:

"قال النبی ﷺ یسروا و لا تعسروا و سکنوا و لا تنفروا"[۷]

(نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگوں کیلئے احکام میں آسانی پیدا کرو اور تنگی پیدا نہ کرو۔ بندگان خدا کو دین کی طرف رغبت دلاؤ نہ کہ انہیں دین سے دور کر دو)

قرآن وحدیث کی ان تصریحات اور ان تصریحات پر مبنی فقہی قواعد "المشقة تجلب التیسیر"، اور "الامر اذا ضاق اتسع"، (A-۷) کی رو سے غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمان اپنی غیر مسلم حکومتوں کی جائز امور میں اطاعت ووفاداری کر کے اپنے لئے معاشرتی، معاشی، سیاسی اور دینی اعتبار سے آسانی کا سامان کریں گے نہ کہ اس کے برعکس طرز عمل اختیار کر کے خواہ مخواہ تنگی میں مبتلا ہوں گے)

اس تمہید اور اصولی بات کے بعد اب اس سلسلے میں جنوبی ایشیاء کے علماء وفقہاء کی چند آراء وفتاوی ملاحظہ فرمائیے:

صاحب فتاوی غیاثیہ کا فتوی:

علامہ داؤد بن یوسف الخطیب نے اپنے مشہور فتاوی "الفتاوی الغیاثیہ"[9] میں مجتہدانہ انداز میں غیر مسلم حکومت کی اطاعت کے جواز کا فتوی دیتے ہوئے لکھا ہے:

"وهذه البلية الواقعة في زماننا باستيلاء الكفار على بعض ديارنا لابد من معرفة حكمها والحق في ذلك ان ما في ايديهم من بلاد المسلمين فهو دار الاسلام بلاشك لانها غير متاخمة متصلة ببلادهم ولانهم لم يظهروا فيها احكامهم بل القضاة والحكام مسلمون باحكام الملة كيف وهم يرجعون الى علماء هذه الملة ويتحاكمون اليهم ومن وافقهم من المسلمين فهو فاسق لا مرتد ولا كافر وتسميتهم كافرين من اكبر الكبائر لانها تنفير عن الاسلام وتقليل لسواده واغراء على الكفر واما الملوك الذين يطيعونهم عن ضرورة فهم على صحة الاسلام والحمد لله وان كانت طاعتهم لامن ضرورة فكذالك لكنهم فساق فكل بلد فيه وال مسلم من جهتهم تجوز فيه اقامة الجمعة والاعياد وله اخذ الخراج وتقليد القضاة وتزويج اليتامى وطاعته لهم نوع موادعة او مخادعة واما البلاد التي عليها ولاة الكفار من بلاد المسلمين فانه يجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ونصب القاضي بتراضي المسلمين ويجب على المسلمين ان يلتمسوا منهم واليا مسلما والمعلوم من حالهم انهم لا يضايقون بذلك وعسى الله ان ياتي بالفتح او امر من عنده"[10]

(اور یہ آزمائش جو ہمارے زمانے میں ہمارے بعض اسلامی ممالک پر کفار کے غلبہ کے صورت میں واقع ہوئی ہے تو ضروری ہے کہ اس کا شرعی حکم معلوم کیا جائے اور اس معاملے

میں حق/اصل بات یہ ہے کہ مسلمان ممالک میں سے جو علاقے ان کے قبضہ میں ہیں تو وہ بلاشبہ دارالاسلام ہی ہیں کیونکہ وہ ان کے ممالک (دارالحرب) سے متصل نہیں ہیں- دوسرے انہوں نے ان ممالک میں اپنے احکام کفر نافذ نہیں کیے بلکہ وہاں کے قاضی اور حکام ملت اسلامیہ کے تمام احکام کو تسلیم کرنے والے ہیں اور وہ ملت اسلامیہ کے علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کے پاس (فیصلہ کیلئے) مقدمات لے جاتے ہیں- اور (بنابریں) مسلمانوں میں سے جو آدمی کسی معاملہ میں ان کی موافقت کرے تو وہ (زیادہ سے زیادہ) فاسق ہے نہ کہ مرتد اور نہ ہی کافر- اور ایسے مسلمانوں کو کافر قرار دینا سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ یہ طرز عمل انہیں اسلام سے متنفر کرنے، مسلمانوں کی تعداد کو کم کرنے اور انہیں کفر پر برآنگیختہ کرنے کے مترادف ہے- باقی رہے وہ مسلمان بادشاہ جو کسی ضرورت کے باعث ان کی اطاعت کرتے ہیں تو بحمداللہ وہ بھی صحت اسلام پر قائم ہیں اور اگر ان (مسلمان حکمرانوں) کی اطاعت کسی ضرورت کے بغیر ہے تو بھی یہی حکم ہوگا- البتہ اس صورت میں ان پر فاسق کا اطلاق ہوگا- پس ہر وہ ملک/ علاقہ جس میں ان (کفار) کی طرف سے کوئی مسلمان عامل/گورنر مقرر ہے تو اس شہر میں نماز جمعہ وعیدین کا قیام جائز ہے اور اس مسلمان عامل کیلئے جائز ہے کہ وہ خراج وصول کرے، قاضیوں کا تقرر کرے اور یتیم بچوں کی شادیوں کا انتظام کرے اور اس کی طرف سے کفار کی طاعت وفرمانبرداری ایک قسم کی مصالحت یا (ان کے ظلم وشر سے بچاؤ کا) حیلہ ہے- اور اسی طرح وہ علاقے جن پر کفار گورنر تعینات ہیں تو وہاں بھی اہل اسلام کیلئے جائز ہے کہ جمعہ وعیدین کی نماز قائم کریں اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے اپنا قاضی متعین کریں (جو ان کے درمیان شریعت کے مطابق فیصلے کرے) اور (اس کے ساتھ ساتھ) مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ان سے مسلمان گورنر تعینات کرنے کا مطالبہ کریں اور ان کے ظاہر حال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس معاملے میں سختی نہیں کریں گے اور اللہ کی رحمت سے بعید نہیں کہ وہ مسلمانوں کیلئے فتح وکامیابی کا دروازہ کھول دے یا اپنی بارگاہِ رحمت سے کوئی اور راستہ پیدا فرمادے)۔

صاحب فتاوٰی تاتارخانیہ اور خزانۃ الروایات کا فتوٰی

صاحب الفتاوٰی التاتارخانیہ علامہ عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی (م ۷۸۶ھ) اور صاحب فتاوٰی

خزانۃ الروایات قاضی جکن حنفی نے بھی غیر مسلم حکومت کی اطاعت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور دلیل میں الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ فتاویٰ غیاثیہ کی درج بالا عبارت ہی پیش کی ہے۔[11]

علامہ شبلی نعمانی کا نقطۂ نظر

علامہ شبلی نعمانی نے اپنے مقالات جلد اول (مذہبی) کے مقالہ ''مسلمانوں کو غیر مذہب حکومت کا محکوم ہو کر کیونکر رہنا چاہیے،، میں نبی اکرم ﷺ کے حکم سے حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے والے صحابہؓ کی حبشہ کے عیسائی حاکم نجاشی کی حکومت کے ساتھ وفاشعاری اور اطاعت شعاری کے واقعہ[12]، دوسرے درمختار کی عبارت ''یفترض علینا اتباعھم،،[13] (یعنی کفار اگر کسی مسلمان ملک پر قابض ہو جائیں تو ہمارے اوپر ان کی اتباع واجب ہوگی) تیسرے غیر مسلم حکومتوں میں متعدد کبار علماء کے بڑے بڑے عہدے قبول کرنے کے کئی واقعات سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''واقعات مذکورہ بالا سے تم کو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد زریں سے لے کر آج تک مسلمانوں کا ہمیشہ یہ شعار رہا کہ وہ جس حکومت کے زیر اثر رہتے، اس کے وفادار اور اطاعت گزار رہتے۔ یہ صرف ان کا طرز عمل نہ تھا بلکہ ان کے مذہب کی تعلیم تھی۔ جو قرآن مجید، حدیث، فقہ سب میں کنایۃً اور صراحۃً مذکور ہے،،

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از من بجز حکایت مہر و وفا مپرس (۱۴)

مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کا فتویٰ:

برصغیر کے مشہور مفتی مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی نے درج ذیل سوال کے جواب میں غیر مسلم حکومت کی اطاعت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

سوال: کیا مسلمانوں کو کسی غیر مسلم جماعت یا کسی غیر مسلم سردار کی سرواری قبول کرنا جائز ہے؟ (اسی طرح)

کیا مسلمانوں کو کسی غیر مسلم جماعت یا کسی غیر مسلم رہنما کے حکم پر عمل کرنا جائز ہے؟

جواب: سلامی امور میں غیر مسلم کی سرداری قبول کرنی درست نہیں۔سیاسی امور یا اقتصادیات میں غیر مسلموں کی شرکت یا ان کی صدارت میں کام کرنا یا کسی مجبوری سے ان کی قیادت تسلیم کرنا منع نہیں ہے۔جیسے میونسپلٹیوں میں غیر مسلم کی چیئرمینی یا کونسلوں میں غیر مسلم کی پریذیڈنسی یا پولیس کی ملازمت میں غیر مسلم افسر کی قیادت یا فوج میں غیر مسلم افسر کی اطاعت یا دوکان میں غیر مسلم کی شرکت یا انگریزی حکومت اور اس کے قانون کی تعمیل کرنا یا غیر مسلم ڈاکٹر یا طبیب کی ہدایات پر عمل کرنا ۱۵؎

۲۔ غیر مسلم حکومت کی ملازمت کا مسئلہ

کسی غیر مسلم حکومت کے ساتھ تعلق کی ایک صورت اس میں باقاعدہ سرکاری طور پر ملازمت اختیار کرنا بھی ہے۔ایسا تعلق یا ملازمت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟اور اس بارے میں جنوبی ایشیاء/ برصغیر کے فقہاء اور مفتی صاحبان کی کیا رائے ہے؟اس کی تفصیل میں جانے سے قبل اتنی وضاحت بے جا نہ ہوگی کہ یہ بات تو قرآن وحدیث کی نصوص اور فقہاء اسلام کی تصریحات کے مطابق طے اور متفق علیہ ہے کہ شراب اور سود وغیرہ جیسے شرعی طور پر کسی ناجائز اور حرام وممنوع کام کیلئے نوکری/ اجارہ کرنا مطلقاً ناجائز اور حرام ہے۔جس کے دلائل کی تفصیلات میں جانا خواہ مخواہ کی طوالت کا باعث ہوگا۔البتہ غور طلب مسئلہ صرف یہ ہے کہ آیا شرعاً مباح وجائز کام کیلئے کسی غیر مسلم حکومت کی نوکری کرنے یا اس کا کوئی سرکاری عہدہ قبول کرنے کا مسلمان کیلئے کوئی جواز ہے یا نہیں؟اور جنوبی ایشیاء/ برصغیر کے فقہاء اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟تو اس سلسلے میں برصغیر کے چند مشہور علماء وفقہا کے فتاوٰی ملاحظہ ہوں:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ کا فتویٰ:

''نصاری کی نوکری بلکہ سب کفار کی نوکری کی چند قسمیں ہیں۔بعض مباح اور بعض مستحب ہیں۔بعض حرام اور بعض کبیرہ قریب کفر کے ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کافر کی نوکری میں یہ کام کرنا ہو کہ رسوم صالحہ کو مقرر کرنا ہو۔اور کوئی ایسا کام کرنا ہو کہ اس کا سرانجام بہتر ہو۔مثلاً چور اور ڈاکوؤں کو دفع کرنا ہو یا عدالت میں شرع کے مطابق فتوی دینا یا لوگوں کے آرام کیلئے پل بنانا یا ایسی عمارت بنانا یا اس کی مرمت کرنا ہو کہ اس

سے لوگوں کو آرام ہو یا ایسا ہی کوئی اور کام عام لوگوں کے فائدہ کیلئے کرنا ہو تو ایسی نوکری بلا شبہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ اس کا ثبوت اس طرح پر ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بادشاہ مصر سے درخواست کی کہ مصر کے خزانہ کا داروغہ آپ کو مقرر کیا جائے اور منظور یہ تھا کہ خزانہ کے لوگوں کے دینے میں انصاف ہو حالانکہ اس وقت وہ بادشاہ مصر کافر تھا۔

اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ نے فرعون کی نوکری کی تھی۔ اس کام کیلئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلائیں۔ اور اگر کوئی شخص کافر کی نوکری کسی دوسرے کام کیلئے کرے اور کفار کے ساتھ اختلاط لازم آئے اور اس نوکری میں رسوم اور امور خلاف شرع کے دیکھنے کا اتفاق ہوا کرے اور اعانت ظلم میں ہو۔ مثلاً محرری اور خدمت گاری یا سپاہی کا کام ہے یا اس نوکری میں حد سے زیادہ ان کی تعظیم کرنا پڑے اور ان کے سامنے بیٹھنے اور کھڑے ہونے سے اپنے کو ذلیل کرنا پڑے تو ایسی نوکری حرام ہے۔ اگر ان کی نوکری یہ کام ہو کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا ہو یا کسی ریاست کو درہم برہم کرنا ہو یا کفر کو رواج دینا ہو اور یہ تلاش کرنا ہو کہ اسلام میں کون کون امر قابل طعن ہے تو ایسی نوکری نہایت کبیرہ گناہ ہے اور کفر کے قریب ہے،، ۱۶؎

اسی طرح حضرت شاہ صاحب موصوف انگریز کی نوکری کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

> ''اگر نوکری میں ایسے کام کرنے کا خدشہ ہو جو کہ کبیرہ گناہ ہے مثلاً فوج کی نوکری ہو اور خدشہ ہو کہ اھل اسلام کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑے گا۔ یا خدمت گاری کی نوکری ہو اور خدشہ ہو کہ شراب اور مردار اور خنزیر کا گوشت لانا ہوگا تو اس کی نوکری اور روزگار کرنا منع ہے اور جس نوکری اور روزگار میں اس طرح کی منہیات نہ ہوں۔ مثلاً اس نوکری میں یہ کام ہو کہ عدالت کے امور لکھے جائیں یا مثلاً منشی گیری کا کام ہو، یا قافلہ پہنچانے کا کام ہو، یا اس طرح کا اور کوئی دوسرا کام ہو تو اس طرح کی نوکری اور روزگار منع نہیں ہے،، ۱۷؎

علیٰ ہذا القیاس انگریز حکومت کی طرف سے سرکاری مفتی کا منصب قبول کرنے کیلئے کسی عالم دین کو بھجوانے کی افواہ پر مشتمل حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کے ایک تشویشی مکتوب کے جواب میں شاہ عبدالعزیز محدث

دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ انگریز حکومت کی طرف سے مجاز آدمی کی اس تحریری یقین دہانی کے بعد کہ: ''ہرگز اس عالم کو اختلاط فرنگیوں کے ساتھ نہ ہوگا - نہ ان کو حکم نامشروع کی تعمیل کیلئے تکلیف دی جائے گی بلکہ وہ عالم کسی علیحدہ مکان میں شہر میں مستقل طور پر خود قیام پذیر رہیں گے اور موافق شرع محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بے تامل و بے وسواس حکم دیتے رہیں گے،، جب ان کے خطوط اس مضمون کے وارد ہوئے تو غور کیا گیا کہ ایسے معاملات کفار کے ساتھ کرنا کہ یہ مدد کرنا ہے رواج دینے میں احکام شرعیہ کے ،شرعاً جائز ہے یا ناجائز ہے؟ تو حق تعالیٰ کی توفیق سے یہ آیت دل میں گزری:

﴿وَقَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِیْ بِہٖ اَسْتَخْلِصْہُ لِنَفْسِیْ فَلَمَّا کَلَّمَہ قَالَ اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَامَکِیْنٌ اَمِیْن ط قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَائِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْم﴾

(اور کہا بادشاہ نے کہ لے آؤ میرے پاس ان کو یعنی حضرت یوسفؑ کو کہ میں ان کو اپنا مقرب بناؤں- پس جب بات کی ان سے تو کہا تحقیق کہ آپ آج ہمارے نزدیک صاحب مرتبہ امانتدار ہیں-کہا حضرت یوسفؑ نے کہ تو مقرر کر مجھ کو زمین کے خزانوں پر تحقیق کہ میں نگہبانی کرنے والا خوب جاننے والا ہوں)

''قال البیضاوی فیہ دلیل علی جواز طلب التولیۃ واظہار انہ مستعدلہا والتولی من یدالکا فر اذاعلم انہ لاسبیل الی اقامۃ الحق والسیاسۃ الا بالاستظہار بہ،،

(یعنی کہا بیضاوی نے کہ یہ دلیل ہے اس امر کیلئے کہ جائز ہے طلب تولیت اور اپنی آمادگی تولیت کیلئے ظاہر کرنا اور حاکم مقرر کرنا کافر کی طرف سے جب معلوم ہو کہ اقامت حق اور سیاست کیلئے سوا اس کے اور کوئی سبیل نہیں کہ کافر سے مدد لی جائے، یہ مضمون بیضاوی کے قول مذکور کا ہے)18

مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کا فتویٰ:

مشہور فقیہ مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ نے ایک سوال کہ انگریزوں کی نوکریوں میں سے کونسی نوکری حلال اور کونسی حرام ہے؟ دوسرے آیت قرآنی ﴿وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَاانْزَلَ اللّٰہُ فَاُوْلٰئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ﴾ کی کیا تاویل ہے؟ کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''جس نوکری میں اجرائے احکام غیر شرعیہ واحکام ظلم کے اجرا کی پابندی نہ ہووہ درست ہےاور جن میں ان کی پابندی ہووہ حرام ہیں اور جوان کی اطاعت کریں اور خلاف شرع احکام جاری کریں وہ فاسق ہیں نہ کافر جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ''وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَاأَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الفَاسِقُونَ،،یعنی جولوگ قرآن شریف کے خلاف حکم کرتے ہیں وہ فاسق ہیں اورآیت ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَاأَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ اورآیت ﴿فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ یہود وغیرہ کے حق میں ہے نہ کہ اہل اسلام کے حق میں یا اس سے کفر عملی مراد ہے یا ان احکام خلاف شرع کے اچھا اور حلال جاننے والوں پر محمول ہے۔تفسیر جامع البیان میں ہے۔''نزلت فی اهل الكتاب دون من اساء من هذه الامةومن تركه عمداواجازوهويعلم فهومن الكافرين اوليس بكفرينقل عن الملكة ولكن كفردون كفر ،،یعنی یہ آیت اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔اس امت کے گنہگاروں کے متعلق نہیں یا یہ مطلب ہے کہ اس امت کے جو لوگ عمداً حکم خدا کو چھوڑ دیں یا اس کے خلاف کی اجازت دیں اور حکم کو جانتے ہوں تو کافر ہیں یا اس کفر سے مراد ایسا کفر ہے جس سے آدمی دین سے خارج نہیں ہوتا بلکہ کفر میں مراتب ہیں۔بعض بعض سے گھٹ کر ہیں اور رسالہ احکام الاراضی میں ہے''من يطعهم غيرضرورة فهو على صحة الاسلام وان كانت اطاعتهم لاعن ضرورةفكذلك لكنهم فساق ،،یعنی جولوگ بضرورت ایسوں کی اطاعت کریں ان کا اسلام صحیح ہے اوراگر بلاضرورت ہوتب بھی ان کا اسلام صحیح ہےلیکن وہ لوگ فاسق ہیں[19]

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے:

عصر حاضر میں انڈیا کے نامور فقیہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی غیر اسلامی حکومت میں کلیدی عہدوں پر فائز ہونے کے جواز کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ایک اہم سوال یہ ہے کہ ایک غیر اسلامی مملکت کے کلیدی عہدوں، صدارت، وزارت، تحفظ ودفاع، عدلیہ اور رکنیت پارلیمنٹ پر فائز ہونا جائز ہوگا یا نہیں؟ جبکہ ایسی ملازمتوں میں سیکولر اور غیر مذہبی ریاست ہونے کے لحاظ سے اسلامی قانون اور منصوص احکام کے خلاف فیصلوں میں شریک ہونا اور اس کی تنفیذ کا ذریعہ بننا پڑے گا۔

اصولی طور پر ظاہر ہے کہ یہ بات جائز نہ ہوگی۔ اس لئے کہ کسی صیغہ کی ملازمت سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ وہ کسی گنہگارانہ اور خلاف شرع فیصلہ کا اور اس کے نفاذ اور ترویج کا ذریعہ بنے اور عملاً حاکمیت الٰہی کا انکار کرے۔

مگر اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر مسلمان ایسی ملازمتوں سے یکسر کنارہ کش اور سبکدوش ہوجائیں تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ اسلام کے بچے کھچے آثار اور مسلمانوں کے دینی، تہذیبی اور دنیوی مفادات کا تحفظ دشوار ہوجائے گا اور مسلمان اس مملکت میں سیاسی اعتبار سے مفلوج، تہذیبی اور مذہبی لحاظ سے مجبور اور اچھوت شہری بن کر رہ جائیں گے۔ اس لئے اس اہم تر مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے عہدوں کو بھی قبول کیا جائے گا، بلکہ مصلحۃً ان کے حصول کی کوشش کی جائے گی البتہ دل میں اس غیر اسلامی نظام کی طرف سے ایک چبھن، اس پر بے اطمینانی اور اسلام کی بالاتری کا احساس تازہ رہنا چاہیے اور موجودہ حالات کو ایک مجبوری کے طور پر گوارا کرتے رہنا چاہیے۔ اس کی واضح نظیر حضرت یوسف علیہ السلام کا فرعون مصر کے خزانہ کی وزارت کی ذمہ داری قبول کرنا۔ بلکہ اس کیلئے اپنے آپ کو پیش کرنا ہے۔[۲۰]

مولانا رحمانی موصوف زیر بحث مسئلے میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''ان حکومتوں میں ایسی ملازمتوں اور عہدوں کا قبول کرنا جن میں براہ راست کسی خلاف شریعت کام کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو، مسلمانوں کیلئے جائز ہے اور سودی ادارے، ایسے مالیاتی ادارے جو قمار پر قائم ہوں، شراب کے کارخانے اور کسی بھی ناجائز اور حرام صنعت میں مسلمانوں کا ملازمت اختیار کرنا جائز نہیں۔ احادیث سے

ثابت ہے کہ غیر مسلموں کے یہاں مسلمان اجیر رہ سکتا ہے-چنانچہ امام بخاریؒ نے مشرکین کی ملازمت اختیار کرنے کے جواز پر ایک مستقل باب قائم فرمایا ہے''باب هل يؤاجر نفسه من مشرك في ارض الحرب،،(بخاری ۱/۳۰۴)۲۱

مفتی محمد تقی عثمانی کی رائے:

پاکستان کے مشہور مفتی محمد تقی عثمانی نے امریکہ یا کسی بھی غیر مسلم حکومت کے سرکاری محکمے میں ملازمت کے جواز کے سلسلے میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا ہے:

''امریکی حکومت یا دوسری غیر مسلم حکومتوں کے سرکاری محکموں میں ملازمت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں-اسی طرح ایٹمی توانائی کے محکمے میں اور جنگی حکمت عملی کے تحقیقی ادارے میں بھی کام کرنے میں کوئی حرج نہیں-لیکن اگر اس کے ذمہ کوئی ایسا عمل کیا جائے جس میں کسی بھی ملک یا شہر کے عام مسلمانوں کو ضرر لاحق ہوتا ہوتو اس عمل سے اجتناب کرنا اور اس معاملے میں ان کے ساتھ تعاون نہ کرنا واجب ہے- چاہے اس اجتناب کیلئے اس کو اپنی ملازمت سے استعفاء ہی کیوں نہ دینا پڑے-واللہ اعلم،،۲۲

سید نذیر حسین محدث دہلوی کا فتویٰ:

مشہور اہل حدیث عالم سید نذیر حسین محدث دہلوی (م۱۹۰۰ء) انگریز حکومت میں تحصیلداری کی ملازمت کے جائز یا ناجائز ہونے کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''......باقی رہی نوکری کفار کی،سو اگر یہ نوکری اصلاح مصالح ودفع شرور ومفاسد مثل دفع شر دزداں وقطاع الطریق وبناء قناطیر ومہمان سرائے وغیر ذالک مما لا محذور فیہ شرعا پر ہے،تو جائز ہے-حضرت یوسفؑ نے حاکم کافر سے داروغگی خزائن مصر بغرض اقامت عدل درخواست کی،اور موسیٰؑ کی والدہ نے فرعون کی نوکری دودھ پلانے پر قبول کی-اور اگر یہ نوکری ممنوعات شرعیہ ومعاصی پر ہے جیسے لشکر وفوج کو مہیا کرنا واسطے قتال

اہل اسلام کے، ایسی نوکری ہے جس میں ناجائز احکام کا عمل میں لانا یا جاری کرنا پڑتا ہے
تو ناجائز ہے......،، واللہ اعلم ۲۳

مولانا گوہر رحمٰن کی رائے:

مولانا موصوف نے کسی سیکولر ریاست کی ملازمت یا حکومتی عہدہ قبول کرنے کے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے:

''......لادین ریاستوں میں سرکاری ملازمت تو جائز نہیں ہے جس میں براہ راست غیر شرعی کام کرنا ملازم کی ڈیوٹی میں شامل ہو- اس لئے کہ یہ تعاون بالاثم ہے جو اضطراری حالت کے علاوہ دوسرے تمام حالات میں ممنوع ہے- اضطرار مطلق حاجت یا معاشی پریشانی کو نہیں کہا جاتا بلکہ جب موت یا قریب الموت ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو تو ایسی حالت میں بقدر ضرورت ممنوع چیز کے استعمال یا ممنوع کام کرنے کی رخصت مل جاتی ہے-

لہذا اگر ملازمت ایسی ہو جس کے دوران کسی غیر شرعی کام کرنے کی کوئی پابندی نہ ہو بلکہ جو کام ملازم کے سپرد کیا گیا ہو وہ شریعت میں جائز اور مباح ہو تو ایسی ملازمت کرنے پر شرعاً کوئی پابندی نہیں ہے- اس لئے کہ یہ براہ راست تعاون بالاثم نہیں ہے،، ۲۴

۳- غیر مسلم حکومت کے خلاف احتجاج کا مسئلہ

غیر مسلم حکومت اگر مذہبی قانونی آئینی اور انسانی وشخصی حقوق کے حوالے سے مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کے ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرتی ہے تو اس کے خلاف احتجاج اور ناراضگی کا اظہار جائز ہوگا- جس کے جواز کی دلیل ایک تو یہ ارشاد الٰہی ہے کہ:

﴿لَايُحِبُّ اللهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ ۲۵

(اللہ منہ پھوڑ کر برائی کرنے کو (کسی کیلئے بھی) پسند نہیں کرتا سوا مظلوم کے)

دوسرے اس کے جواز پر درج ذیل حدیث نبوی ﷺ سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، جس میں حضور ﷺ نے خود احتجاج کا ایک خاموش اور پرامن طریقہ تعلیم فرمایا ہے:

''جاء رجل الی رسول اللہ ﷺ یشکو جارہ قال اطرح متاعک علی الطریق فطرحہ فجعل الناس یمرون علیہ ویلعنونہ فجاء الی النبی ﷺ فقال یارسول اللہ! ما لقیت من الناس قال وما لقیت منھم قال یلعنونی قال لعنک اللہ قبل الناس فقال انی لا اعود فجاء الذی شکا الی النبی ﷺ فقال ارفع متاعک فقد کفیت،،(۲۶)۔

ایک آدمی اپنے پڑوسی کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اپنا گھریلو سامان (گھر سے نکال کر) راستہ پر رکھ دو۔ تو اس نے ایسا ہی کیا۔ اب لوگ وہاں سے گزرنے لگے اور اس (کے پڑوسی کی اس زیادتی) پر لعنت کرنے لگے۔ تو وہ پڑوسی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے لوگوں سے بڑی تکلیف پہنچی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا تجھے ان سے کیا تکلیف پہنچی ہے؟ اس نے بتایا وہ مجھ پر لعنت کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں سے قبل تو اللہ کریم (اپنے پڑوسی پر زیادتی کے باعث) تجھ پر لعنت کر رہے ہیں۔ اس نے وعدہ کیا۔ اب آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ جس آدمی نے آپ ﷺ سے شکایت کی تھی وہ آپ ﷺ کے پاس آیا تو فرمایا۔ اب اپنا سامان اٹھالو کہ تمہارا مسئلہ حل ہو چکا ہے۔

علاوہ ازیں غیرت ایمانی اور ارشاد نبوی:

''من رای منکم منکراً فلینکرہ بیدہ ومن لم یستطع فبلسانہ ومن لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان،،A-۲۶۔

(تم میں سے جو آدمی کسی برائی کو دیکھے تو چاہیے کہ وہ اسے ہاتھ سے بدل دے اور اگر ایسا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو اپنی زبان سے اس کی برائی بیان کرے اور اگر زبان سے بھی اسے برا کہنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اسے اپنے دل سے برا جانے

اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے)

کا بھی تقاضا ہے کہ مسلمان غیر مسلم جمہوری ممالک میں اگر کسی برائی کو قوت بازو سے نہیں روک سکتے تو اس کے خلاف قانونی طور پر صدائے احتجاج تو بلند کر سکتے ہیں۔لہذا کسی بھی شرعی منکر کے خلاف آواز اٹھانا مسلمانوں کیلئے شرعاً ضروری ہے۔

البتہ حکومت کے خلاف احتجاج کا ایسا طریقہ جو تشدد، توڑ پھوڑ اور جانی و مالی نقصان پہنچنے کا ذریعہ بنے وہ شرعاً جائز نہ ہوگا۔ اللہ تعالی نے ایک ایسے ہی کردار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَاِذَاتَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَفِیْهَاوَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ﴾ ۲۷

(اور جب وہ پیٹھ پھیر جاتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں رہتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور جانوروں کو تلف کرے)

مشہور فقیہ مفسر امام قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں آیت ہذا کے مختلف مفاہیم اور اقوال ائمہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"قلت والآیة بعمومها تعم کل فساد کان فی الارض اومال اودین وھو الصحیح ان شاء اللہ تعالی" ۲۸

(میری ذاتی رائے یہ ہے کہ آیت ہذا کا اطلاق اپنے عموم پر ہے جس میں ہر قسم کا فساد شامل ہے۔ چاہے زمین پر ہو یا مال اور دین کے معاملے میں اور ان شاء اللہ یہی مفہوم صحیح ہے)

ہڑتال کا عدم جواز

آج کل حکومت کے خلاف احتجاج کا ایک مروجہ طریقہ "ہڑتال، یعنی کاروباری مراکز، بازار، مارکیٹیں، دوکانیں، دفاتر، ٹرانسپورٹ بند کرانے کا بھی ہے۔ یہ ہڑتال اگر تمام لوگوں کی اپنی خوشی اور مرضی سے ہو تو اس کا کوئی جواز بھی ہو سکتا ہے مگر عملاً ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہمارا آئے روز کا مشاہدہ ہے کہ اکثر لوگوں کو ان کی خواہش اور رائے کے خلاف ہڑتال میں حصہ لینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی آدمی حصہ نہ

لے تو اس کو جسمانی اور مالی نقصان پہنچانے سے دریغ نہیں کیا جاتا - سڑکوں پر ٹائر جلا کر ہر قسم کی آمدورفت مشکل بنادی جاتی ہے - چلتی ہوئی گاڑیوں پر پتھراؤ ہی نہیں آگ لگادی جاتی ہے - بینک اور دوکانیں لوٹ لی جاتی ہیں وغیرہ وغیرہ - یہ وہ چیزیں ہیں جو عام طور پر ہڑتال کا لازمی حصہ بن کر رہ گئی ہیں اور ظاہر ہے یہ تمام چیزیں شرعاً ناجائز بلکہ حرام کے درجے میں ہیں اور شرعی اصول ہے کہ:

''ان کل امر یتذرع به الی محظور فهو محظور،، ۳۰

(بیشک جو چیز کسی حرام وممنوع چیز کا ذریعہ ووسیلہ بنے تو وہ حرام وممنوع ہے)

پاکستان کے معروف مفتی، مفتی رشید احمد لدھیانوی مرحوم نے مولانا اشرف علی تھانوی کے حوالے سے مروجہ ہڑتال کے عدم جواز پر بات کرتے ہوئے لکھا ہے:

'' لہذا حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ہڑتال کے مروجہ طریقوں کو شرعاً ناجائز قرار دیا ہے - تحریکِ خلافت کے زمانے میں ''ترکِ موالات،، کے جو طریقے اختیار کئے گئے تھے ان میں ہڑتال بھی داخل تھی - ترک موالات کے تحت یہ تحریک چلائی گئی تھی کہ برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے - چنانچہ اہل تحریک نے ایسی دکانوں پر جو برطانوی مصنوعات فروخت کرتی تھیں رضا کار مقرر کردیئے تھے جو لوگوں کو جس طرح ممکن ہو وہاں سے خریداری کرنے سے روکتے تھے، اگر خرید چکے ہوں تو ان کو واپسی پر مجبور کرتے تھے، نیز دکانداروں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ ایسی اشیاء اپنی دکانوں میں نہ رکھیں - اگر وہ نہ مانیں تو ان کو نقصان پہنچاتے تھے خواہ اس دکاندار کے پاس کوئی اور ذریعہ معاش نہ ہو اور اس تجارت کے بند کرنے سے اس کے اہل وعیال پر فاقوں کی نوبت آجائے - حضرت ان طریقوں کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ واقعہ بھی متعدد گناہوں پر مشتمل ہے - ایک مباح فعل کے ترک پر مجبور کرنا کیونکہ بجز بعض خاص تجارتوں کے سب اشیاء کی خرید وفروخت کا معاملہ اہل حرب تک کے ساتھ بھی جائز ہے چہ جائیکہ معاہدین کے ساتھ - دسرے بعد اتمام بیع کے واپسی پر مجبور کرنا اور زیادہ گناہ ہے، کیونکہ بدون قانون خیار کے یہ واپسی بھی شرعاً مثل بیع کے ہے جس میں

تراضی متعاقدین شرط ہے- تیسرے نہ ماننے والوں کو ایذاء دینا، جو ظلم ہے- چوتھے اہل
وعیال کو تکلیف پہنچانا کہ یہ بھی ظلم ہے- پانچواں اگر اس کو واجب شرعی بتلایا جاوے تو
شریعت کی تغییر وتحریف ہونا............،،

اس کے بعد حضرت ہڑتال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس میں بھی وہ خرابیاں ہیں جو نمبر۳ میں مذکور ہوئی ہیں، اور اگر ان احتجاجات مذکورہ
میں شرکت نہ کرنے پر ایذا جسمانی کی بھی نوبت آ جائے تو یہ گناہ ہونے میں اضرارِ مالی
سے بھی اشد اور منافی اقتضائے اسلام ہے- پھر ان مقاطعات پر مجبور کرنے میں یہ
جابرین خود اپنے تسلیم کردہ قانونِ حریت کے بھی خلاف کر رہے ہیں- ورنہ کیا وجہ کہ اپنی
آزادی کی تو کوشش کریں اور دوسروں کی آزادی کو سلب کریں،، (۳۱)

علاوہ ازیں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے ہڑتال ہی کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ 'تـلـبـیـن العرائک فی تهجین اسـترائک ،، لکھا ہے جس کا اصل موضوع تو تعلیمی اداروں میں طلبہ کی ہڑتال ہے جس میں کئی شرعی مفاسد کی نشاندھی کرتے ہوئے آپ نے اسے ناجائز قرار دیا ہے اور آخر میں اختصار کے طور پر لکھا ہے:

وفـــی مـــفـــاســـد هـــذا الـــعـــمـــل وعلی من اتبع واستقرء لا
کثـــــــــرة لا تـــــحـــــصـــــی تـــــخـــــفـــــی

نیز آپ نے اپنی اس رائے کی تائید میں اس مسئلہ پر دو فاضلوں مولوی حبیب احمد کیرانوی اور مولوی شبیر احمد دیوبندی کی دو مدلل تحریریں بھی درج فرمائی ہیں- ۳۲

بھوک ہڑتال کا عدم جواز:

اسی طرح مطالبات منوانے کیلئے ایک طریقہ بھوک ہڑتال کا بھی اختیار کیا جاتا ہے- اس بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے سوال کیا گیا تھا: ''اگر کوئی گرفتار ہو جائے ان میں سے بعضے لوگ جیل جانے میں مقاطعہ جوعی کرتے ہیں یہاں تک کہ مرجاتے ہیں اور قوم میں ان کی مدح کی جاتی

ہے،،حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''قال الله تعالى: ولاتقتلوا انفسكم، وفى الهداية كتاب الاكراه، فياثم كما فى حالة المخمصة وفى العناية: فامتناعه عن التناول كامتناعه من تناول الطعام الحلال حتى تلفت نفسه او عضوه، فكان اثما-الخ،،

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جان بچانا اس درجہ فرض ہے کہ اگر حالتِ اضطرار میں اندیشہ مرجانے کا ہو اور مردار کھانے سے جان بچ سکتی ہو تو اس کا نہ کھانا اور جان دیدینا معصیت ہے، چہ جائیکہ طعام حلال کا ترک- اور اس فعل کی مدح کرنے میں تو اندیشہ کفر ہے کہ صریح تکذیب ہے شریعت کی کہ شریعت جس فعل کو مذموم کہتی ہو یہ اس کو محمود کہتا ہے،،

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرماتے ہیں:

''یہ (بھوک ہڑتال) خودکشی کے مترادف ہے- اگر موت واقع ہوجائے گی تو وہ موت حرام ہوگی،، ۳۳

جبکہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے بھی بھوک ہڑتال کے طریقہ احتجاج کو شرعی نقطہ نظر سے غلط قرار دیا ہے اور الفتاوٰی الہندیہ کی ایک عبارت کو دلیل بناتے ہوئے لکھا ہے:

''اپنی ناراضگی کے اظہار اور تنقید کا ایک طریقہ ''بھوک ہڑتال،، بھی ہے جس میں انسان بھوکا رہ کر اپنے آپ کو ناراض ظاہر کرتا ہے اور احتجاج کرتا ہے- بسا اوقات اس کی جان تک چلے جانے کا اندیشہ رہتا ہے اور ایسے واقعات بھی ظہور میں آتے رہتے ہیں- اسلامی نقطہ نظر سے یہ صحیح نہیں ہے- زندگی کے تحفظ کیلئے اور اپنی توانائی کو معمول پر رکھنے کی غرض سے غذا کھانا واجب ہے:

''اما الاكل فعلى مراتب فرض وهو مايندفع به الهلاك فان ترك الاكل والشرب حتى هلك فقد عصى...... ولا يجوز الرياضة بتقليل الاكل حتى ضعف عن اداء الفرائض...... ولو جاع ولم ياكل مع قدرته

حتی مات یاثم،،۳۴؎

(کھانے کے چند درجات ہیں-اتنا کھانا جس کے ذریعہ جان بچ سکے فرض ہے-لہذا اگر کھانا پینا چھوڑ دے یہاں تک کہ مرجائے تو وہ گنہگار ہوگا......کم کھانے کی ایسی ریاضت جائز نہیں ہے کہ فرائض کی ادائیگی سے عاجز ہوجائے......اگر بھوک لگے اور قدرت کے باوجود نہ کھائے یہاں تک کہ مرجائے تو گنہگار ہوگا)

اسلام اس قسم کے غلو اور افراط کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے اسی لئے حضورﷺ نے ان صحابہ کرامؓ کو بھی منع کردیا جو عبادت کی غرض سے مسلسل روزے رکھنا چاہتے تھے-اور اس نے تنقید واحتجاج کا طریقہ بھی واضح کردیا ہے جسے قرآن وحدیث کی اصطلاح میں نہی عن المنکر کہاجاتا ہے کہ اس کیلئے جہاں ممکن اور ضرورت ہو قوت کا استعمال کیاجائے ورنہ پرامن طور پر زبان سے کام لیاجائے،،۳۵؎

۴-غیر مسلم حکومت کے ساتھ الیکشن میں حصہ لینے کا مسئلہ

آج کل انڈیا، برطانیہ امریکہ سمیت اکثر غیر مسلم ممالک میں جمہوری سیاسی نظام حکومت رائج ہے اور اہل علم سے مخفی نہیں کہ جمہوری نظام میں ووٹ کی بڑی طاقت اور قیمت ہوتی ہے-چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات پارلیمنٹ میں صرف ایک ووٹ کے فرق سے حکومت بدل جاتی ہے اور ملک وقوم کی قسمت کے بڑے بڑے فیصلے ہوجاتے ہیں-ووٹوں کے ذریعے ہی حقوق کی حفاظت ہوتی ہے اور ووٹوں سے ہی ملک کے آئین ودستور میں تبدیلی ممکن ہوتی ہے-

غیر مسلم ممالک میں مروج یہ جمہوری نظام حکومت جس میں اللہ تعالی کی حاکمیت اعلی اور قرآن وسنت کی بالادستی کا تصور نہیں ہوتا-نیز کسی بھی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار اللہ ورسول کی بجائے ممبران پارلیمنٹ کو ہوتا ہے، شرعی اعتبار سے اگرچہ ''نظام کفر،، ہے مگر چونکہ مسلمان وہاں ایک تو اس نظام کفر کو بدلنے سے قاصر ہیں-دوسرے اگر وہ اس جمہوری نظام کے تحت الیکشن میں حصہ نہیں لیتے تو ان کے بہت سے مذہبی وملی اور شخصی حقوق تلف ہونے کا خدشہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے-اس لئے مشہور فقہی کلیات ''الضرورات تبیح المحظورات،،۳۶؎ (مجبوریاں ممنوع چیزوں کو جائز کردیتی ہے) اور ''اذا تعارض مفسدتان روعی

اعظمهما ضررا بارتکاب اخفهما ،،۳۷ (جب دوخرابیوں کا مقابلہ ہوتو بڑی خرابی سے بچنے کیلئے چھوٹی خرابی کا ارتکاب گوارا کیا جائے گا) وغیرہ کی رو سے غیر مسلم حکومت کے ساتھ الیکشن میں حصہ لینا جائز ہوگا اور اگر انتخابات کے اس پہلو کو دیکھا جائے کہ ان میں حصہ لیے بغیر اور ان کے ذریعے اور پارلیمنٹ تک پہنچے بغیر مسلمانوں کے بہت سے لازمی حقوق کا حصول وتحفظ ممکن نہیں تو ''ما لا یتم الواجب الا بہ فھو واجب ۳۸ (جس چیز کے بغیر کسی واجب کی تکمیل ممکن نہ ہوتو وہ چیز خود بھی واجب ہوتی ہے) کے شرعی قاعدہ کے تحت انتخابات میں حصہ لینے کو واجب بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے چودھویں فقہی سیمینار بعنوان ''غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل،، منعقدہ یکم تا ۳ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ بمطابق ۲۰ تا ۲۲ جون ۲۰۰۴ء میں برصغیر کے بعض نامور علماء زیر بحث مسئلہ یعنی الیکشن میں حصہ لینے کے جواز اور بعض وجوب کی طرف گئے ہیں۔ ۳۹

مفتی محمد شفیعؒ کی رائے:

پاکستان کے معروف مفتی محمد شفیعؒ نے مسلم اور غیر مسلم حکومت کے امتیاز سے ہٹ کر مروجہ انتخابات میں مطلق ووٹ کی قرآن وسنت کی روشنی میں تین شرعی حیثیتیں قرار دی ہیں۔ شہادت (گواہی)، شفاعت (سفارش) اور وکالت۔ اور پھر ووٹ ڈالنے کی اہمیت اور انتخابات میں حصہ لینے کی ضرورت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''ان تمام آیات نے مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد کر دیا ہے کہ سچی گواہی سے جان نہ چرائیں، ضرور ادا کریں، آج جو خرابیاں انتخابات میں پیش آرہی ہیں ان کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نیک صالح حضرات عموماً ووٹ دینے ہی سے گریز کرنے لگے جس کا لازمی نتیجہ وہ ہوا جو مشاہدہ میں آرہا ہے کہ ووٹ عموماً ان لوگوں کے آتے ہیں جو چند ٹکوں میں خرید لئے جاتے ہیں اور ان لوگوں کے ووٹوں سے جو نمائندے پوری قوم پر مسلط ہوتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ کس قماش اور کس کردار کے لوگ ہوں گے۔ اس لئے جس حلقہ میں کوئی بھی امیدوار قابل اور نیک معلوم ہو اسے ووٹ دینے سے گریز کرنا بھی شرعی جرم اور پوری

قوم وملت پر ظلم کے مترادف ہے اور اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنی میں قابل اور دیانت دار نہ معلوم ہو مگر ان سے کوئی ایک صلاحیت کار اور خدا ترسی کے اصول پر دوسروں کی نسبت سے غنیمت ہو تو تقلیل شر اور تقلیل ظلم کی نیت سے اس کو بھی ووٹ دے دینا جائز بلکہ مستحسن ہے جیسا کہ نجاست کے پورے ازالہ پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تقلیل نجاست کو اور پورے ظلم کو دفع کرنے کا اختیار نہ ہونے کی صورت میں تقلیل ظلم کو فقہاء رحمہم اللہ نے تجویز فرمایا ہے- واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم،،[۴۴]

مفتی محمد تقی عثمانی کی رائے:

اسی طرح مفتی محمد شفیعؒ کے صاحبزادے مفتی محمد تقی عثمانی نے انتخابات میں اپنے ووٹ کو استعمال کرنا شرعاً ضروری قرار دیا اور مروجہ انتخابات وسیاست کے حوالے سے عام مسلمانوں کے ذہنوں میں پائی جانے والی بعض غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے اس کی ضرورت وافادیت کے بارے میں لکھا ہے:

(ماضی میں ہماری سیاست بلاشبہ مفاد پرست لوگوں کے ہاتھوں گندگی کا ایک تالاب بن چکی ہے، لیکن جب تک کچھ صاف ستھرے لوگ اسے پاک کرنے کیلئے آگے نہیں بڑھیں گے اس گندگی میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا- اور پھر ایک نہ ایک دن یہ نجاست خود ان کے گھروں تک پہنچ کر رہے گی- لہٰذا عقلمندی اور شرافت کا تقاضا یہ نہیں کہ سیاست کی اس گندگی کو دور دور سے برا کہا جاتا رہے بلکہ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ سیاست کے میدان کو ان لوگوں کے ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کی جائے جو مسلسل اسے گندہ کر رہے ہیں)

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ سرورِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''الناس اذا راؤ الظالم فلم یاخذوا علی یدیه اوشک ان بعمهم الله بعقاب،،

(اگر لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب

پر اپنا عذاب عام نازل فرمائیں،،(جمع الفوائد ص ۱۵ ج ۲: بحوالہ ابوداؤد و ترمذی) ۴۱
اگر آپ کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ ظلم ہو رہا ہے، اور انتخابات میں سرگرم حصہ لے کر اس ظلم کو کسی نہ کسی درجے میں مٹانا آپ کی قدرت میں ہے تو اس حدیث کی رو سے یہ آپ کا فرض ہے کہ خاموش بیٹھنے کے بجائے ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اس ظلم کو روکنے کی مقدور بھر کوشش کریں-۴۲

مزید برآں آں موصوف نے ووٹ کو شرعی نقطہ نظر سے گواہی کا درجہ دیا اور ووٹ نہ دینے کو حرام قرار دیا ہے-۴۳

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے:

غیر مسلم حکومت کے ساتھ الیکشن میں حصہ لینے اور الیکشن کے ذریعے پارلیمنٹ تک پہنچنے کے بارے میں عصر حاضر کے مشہور انڈین فقیہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے یہ ہے کہ:

> ''اگر مسلمان سیاست سے کنارہ کش ہو جائیں اور جمہوری اصولوں پر انہیں جو سیاسی حقوق حاصل ہیں ان سے اپنا رشتہ توڑ لیں تو اندیشہ ہے کہ مذہبی اور قومی سطح پر مسلمان اور بھی زیادہ مشکلات میں مبتلا ہو جائیں گے- پارلیمنٹ میں کوئی آواز نہ ہوگی جو ان کے حق میں اٹھے، وہ اپنے مذہبی، تعلیمی اور سماجی نیز معاشی حقوق کا تحفظ کرنے سے بالکل ہی معذور ہوں گے اور تمام تر دوسری قوموں پر ان کا انحصار ہوگا، خاص کر ہندوستان میں برادران وطن جس طرح مسلمانوں کو اپنی تہذیب اور کلچر میں جذب کر لینا چاہتے ہیں- اگر مسلمان سیاسی اعتبار سے مفلوج ہو جائیں تو مخالفین اسلام کیلئے اس مقصد کا حاصل کرنا آسان ہو جائے گا، اس لئے گو یہ جمہوری نظام کفر پر مبنی ہے لیکن مسلمانوں کا اس حکومت میں دینی اور ملی مفادات کے تحفظ کی نیت سے شریک رہنا نہ صرف جائز بلکہ حق واجب ہے،،

اور اس رائے پر موصوف نے رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ پہنچنے پر یہودیوں اور دیگر قبائل کے ساتھ کیے گئے تحریری معاہدہ ''میثاق مدینہ،، اور بعثت سے پہلے آپ ﷺ کی ''حلف الفضول،، میں عملی

شرکت اور بعد از بعثت اس قسم کے معاہدے میں دوبارہ شرکت کی خواہش سے استدلال کیا ہے۔۴۴

باقی رہا الیکشن میں خود کو بطور امیدوار پیش کرنے اور عہدہ طلب کرنے کے شرعاً غیر پسندیدہ حرکت ہونے کا اشکال! تو اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا رحمانی موصوف لکھتے ہیں:

''اس میں شبہ نہیں کہ الیکشن میں امیدواری اور عوام سے ووٹ کی بھیک مانگنا اسلامی نقطہ نظر سے ایک ناروا بلکہ غیر شریفانہ حرکت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عہدہ کے طلب کرنے کو منع فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص مانگ کر عہدہ حاصل کرتا ہے تو اس سے اللہ کی مدد اٹھ جاتی ہے اور جب بغیر طلب کے کوئی ذمہ سر پر آجائے تو اللہ کی مدد شریک حال ہوتی ہے (مسلم عن عبدالرحمٰن بن سمرہ) ۴۵

لیکن اگر کوئی عہدہ طلب کیے بغیر حاصل نہ ہونے پائے اور اس عہدہ سے دین وملت کا مفاد وابستہ ہو بلکہ بعض جائز مفادات ومصالح اس پر موقوف ہوں تو یہاں بھی از راہ ضرورت ان مفادات کے تحفظ کی نیت سے عہدہ طلب کرنا، امیدوار بننا اور ووٹ مانگنا جائز ہے اور اس کی سب سے واضح نظیر حضرت یوسفؑ کا واقعہ ہے جنہوں نے قحط کے حالات میں عامۃ الناس کے مفادات کے تحفظ کیلئے ملک کے خزانہ کی ذمہ داری طلب کی تھی اور فرمایا تھا﴿ اِجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ﴾ سورۃ یوسف:۵۵

چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''واذاثبت هذافنقول: انه عليه السلام كان مكلفابرعاية مصالح الخلق فى هذه الوجوه وماكان يمكنه رعايتهاالابهذاالطريق ومالايتم الواجب الابه فهوواجب فكان هذاالطريق واجباعليه ولماكان واجباعليه سقطت الاسئلة بالكلية،،

(جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ ان امور میں بھی خلق کی مصلحتوں کی حفاظت کے مکلف تھے اور یہاں مصلحتوں کا تحفظ اسی طریقہ پر ممکن تھا اور جس کے بغیر واجب حاصل نہ ہوسکتا ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے۔ پس یہی صورت اختیار کرنی ان پر واجب تھی اور جب یہ بات ان پر واجب تھی تو اب کلیتاً کسی سوال کی

گنجائش نہیں رہی)،،۴۶ے

مولانا گوہر رحمٰنؒ کی رائے:

پاکستان کے مشہور عالم مولانا گوہر رحمٰن غیر اسلامی حکومت کی زیرنگرانی انتخابات میں شرکت کرکے حکومت کے ساتھ تعاون کے ایک سوال کے جواب میں ووٹ کی شرعی حیثیت ونزاکت اور امیدواروں کی اہلیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''.....تو ایسے امیدواروں کو ووٹ دینا اوران کی کامیابی کیلئے جدوجہد کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ فرض ہے-اگر ایسی پارٹیوں کو اسمبلی میں اکثریت حاصل ہوگئی تو غیراسلامی قوانین کوختم کرکے شریعت نافذ کردیں گی ورنہ اسمبلیوں میں غیرشرعی قوانین کے خلاف اورشرعی قوانین کے نفاذ کیلئے آواز اٹھائی جاتی رہے گی اور افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جابر کا فرض ادا کیا جائے گا،،۴۷

تلخیص مقالہ:

زیرنظر مقالہ میں تمہیدی کلمات اور مجوزہ سیمینار کے انعقاد پرادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کی تحسین کے بعد موضوع سے متعلق درج ذیل چار بڑے مسائل پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے-

۱- غیرمسلم حکومت کی اطاعت ووفاداری کا مسئلہ-

۲- غیرمسلم حکومت کی ملازمت کا مسئلہ-

۳- غیرمسلم حکومت کے خلاف احتجاج کا مسئلہ-

۴- غیرمسلم حکومت کے ساتھ الیکشن میں حصہ لینے کا مسئلہ-

چنانچہ پہلے مسئلہ میں بتایا گیا ہے کہ وہ غیرمسلم ممالک/حکومتیں جہاں مسلمان بطور اقلیت آباد ہیں اورانہیں وہاں حکومت کی طرف سے جان ومال کا مکمل تحفظ، پوری مذہبی آزادی اور تمام شخصی وقانونی حقوق حاصل ہیں اوران کے دین پر کوئی زد نہیں پڑ رہی تو ملک کا مستقل شہری ہونے کے ناطے اور ''فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ،،کے قرآنی حکم کے مطابق وہ مہاجرین حبشہ کی طرح حکومت کی

اطاعت ووفاداری کریں گے--دوسرے غیر مسلم حکومت کی اطاعت ان کی ضرورت بھی ہے کیونکہ اگروہ بالفرض ایسانہیں کرتے تو عالم اسلام کی سیاسی اعتبار سے مغلوبیت اورکس مپرسی کی موجودہ صورت حال میں وہ مذہبی، معاشرتی، معاشی اور شخصی حوالے سے غیر معمولی تکلیف سے دوچار ہوسکتے ہیں اورشریعت اپنے ماننے والوں کیلئے آسانی پیدا کرتی ہے نہ کہ تنگی- پھراس سلسلے میں برصغیر کے چندنامور علماء وفقہاء کے فتاویٰ پیش کیے گئے ہیں-

دوسرے مسئلہ میں اس امرکی وضاحت کے بعد کہ سوائے اضطراری حالت کے شرعاً کسی حرام وممنوع کیلئے ملازمت کرنا ناجائز ہے، بتایا گیاہے کہ شرعاً تمام مباح اموراور رفاہ عامہ اور خدمت خلق کے کاموں میں غیر مسلم حکومت کی ملازمت اختیار کرنا جائز ہے- پھرایسی ملازمت کے جواز میں چندفقہاء کے فتاویٰ درج کیے گئے ہیں-

تیسرے مسئلہ میں بتایا گیاہے کہ غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلمانوں کی حق تلفی کی جاتی یا کسی شرعی منکرکورواج دیا جاتا ہے تو مسلمانوں کیلئے اس پرحکومت سے احتجاج کرنا شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ ازروئے حدیث اورغیرتِ ایمانی ضروری ہے- البتہ ایسااحتجاج جوتشدد اور توڑپھوڑ کا حامل ہو وہ جائزنہیں ہوسکتا-اسی طرح احتجاج کیلئے مروجہ پرتشددہڑتال اور بھوک ہڑتال کاطریقہ جائزنہیں- بعدازیں اس مسئلہ میں چندعلماء کی آراءپیش کی گئی ہیں-

چوتھے مسئلہ میں واضح کیا گیاہے کہ غیر مسلم جمہوری حکومتوں میں ووٹ کی چونکہ بڑی طاقت ہوتی ہے اورانتخابات میں حصہ لیےاور پارلیمنٹ تک پہنچے بغیر مسلمان صحیح معنوں میں اپنے مذہبی وشخصی حقوق کاتحفظ نہیں کرسکتے اس لئے ''مالایتم الواجب الابہ فھوواجب ،، کےشرعی قاعدہ کی روسےانتخابات میں حصہ لیناجائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے- پھراس نقطۂ نظر کی تائید میں برصغیر کے چندعلماء کی آراء پیش کی گئی ہیں- مقالہ نگار-

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

۱۔ دیکھئے: الف) ابن نجیم، الاشباہ والنظائر (مع شرح حموی) نول کشور، لکھنو، ص ۱۰۷

ب مجلۃ الاحکام العدلیہ (مادہ/دفعہ نمبر ۱۹) مطبع شعارکو، الطبعۃ الخامسہ، ۱۹۶۸ء، ص ۱۸

۲۔ مرغینانی، برہان الدین (م ۵۹۳ھ) ہدایہ مع اردو ترجمہ عین الہدایہ، قانونی کتب خانہ، لاہور ۲/۵۶۱

۳۔ الکاسانی، ابوبکر علاؤالدین (م ۵۸۷ھ) بدائع الصنائع (اردو ترجمہ) مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، لاہور ۱۹۹۳ء ۱/۴۰۶

۴۔ سورۃ البقرہ ۲:۱۵۸

۵۔ جصاص، ابوبکر رازی (م ۳۷۰ھ) احکام القرآن، مطبعۃ البہیہ مصر ۱۳۴۷ھ ۱/۲۲۳

۶ البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (کتاب الادب قول النبی یسروا ولا تعسروا الخ) طبع کلاں سعید کمپنی کراچی، ۲/۹۰۴ - نیز (کتاب المغازی) ۲/۶۲۲ -

۷- ایضاً

A-۷ الاحکام العدلیہ (ماد/دفعہ نمبر ۱۷-۱۸) ص ۱۸

۸۔ دیکھئے: بخاری ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (کتاب الجہاد، باب الجاسوس) ایچ سعید کمپنی، کراچی، طبع کلاں ۱/۴۲۱-۴۲۲، کتاب الجہاد (باب اذااضطر الرجل النظر فی شعور اھل الذمہ) ۱/۴۳۳، کتاب المغازی (باب غزوۃ الفتح ومابعث حاطب الخ) ۲/۶۱۲، کتاب التفسیر - سورۃ الممتحنہ (باب لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء) ۲/۷۲۶

۹۔ الفتاویٰ الغیاثیہ، مشہور سلطان دہلی غیاث الدین بلبن (۶۶۴ھ-۶۸۶ھ) کی علم دوستی اور مقامی ضروریات کے پیش نظر نیا مجموعہ فتاویٰ ترتیب دینے کی خواہش اور دلچسپی کے نتیجے میں اس دور کے معروف فقیہ شیخ داؤد ابن یوسف الخطیب نے مرتب کیا - دیکھئے: ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی، مقالہ برصغیر میں علم الافتاء کا تاریخی جائزہ، سہ ماہی منہاج لاہور شمارہ جنوری تا جون ۱۹۹۹ء

۱۰۔ علامہ داؤد بن یوسف الخطیب ،الفتاوٰی الغیاثیہ،مکتبہ اسلامیہ،میزان مارکیٹ ،کوئٹہ۱۴۰۳ھ ص۱۰۵

۱۱-دیکھئے:(الف) الفتاوٰی التاتارخانیہ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ت-ن/۵/۳۲۵-۳۲۶

(ب) خزانۃ الروایات (عکس قلمی نسخہ)ص۷۶(یہ قلمی نسخہ جامعہ رضویہ ٹرسٹ ماڈل ٹاؤن لاہور کی لائبریری میں اندارج نمبر۱۱۴۵۱پر موجود ہے-

۱۱۔ یہ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ متعدد صحابہ کرامؓ جن میں حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ موجود تھے، جب نبی اکرم ﷺ کے حکم پر مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے اور آپ ﷺ کی اطاعت وہاں ان کی جان ومال کو مکمل تحفظ حاصل ہوگیا تو وہاں کسی حبشی نے حکومت کے خلاف بغاوت کردی-اس صورت حال سے مسلمانوں کو بڑی تشویش لاحق ہوگئی اور جب وہاں کا حکمران نجاشی اس بغاوت کو کچلنے کیلئے نکلاتو مہاجرین صحابہ نے حکومت کی طرف سے کسی قسم کا مطالبہ نہ ہونے کے باوجود نوخیز صحابی حضرت زبیر بن العوامؓ کو میدان جنگ کی طرف روانہ کیا تا کہ ضرورت پڑے تو وہ خود بھی نجاشی کی مدد کو پہنچیں-ان صحابہ کرامؓ نے حصر اسی چیز پر اکتفانہیں کیا بلکہ نجاشی کی فتح کیلئے اللہ کریم سے دعائیں بھی مانگتے رہے-اور جب انہیں نجاشی کی فتح کی اطلاع ملی تو اس پر انتہائی خوش ہوئے-مقالہ نگار-

تفصیل کیلئے دیکھئے:

(الف)ابن اثیرعزالدین علی بن ابی الکرم(م۶۳۰ھ)الکامل فی التاریخ،دارالصادر، بیروت۱۳۸۵ھ/۲/۸۱-۸۲

(ب)ابن جوزی،عبدالرحمٰن بن علی(م۵۹۷ھ)المنتظم فی تاریخ الامم والملوک،دارالکتب العلمیہ ،بیروت۱۴۱۲ھ/۲/۳۸۳-۳۸۴

۱۲۔ تنویر الابصار،المطبعۃ العامرہ،مصر،ت-ن/۲/۹۶(مقالہ نگار)

۱۳۔ ح ۱۴-شبلی نعمانی، مقالات شبلی ،دارالمصنفین اعظم گڑھ،انڈیا۱۳۴۹ھ/۱/۱۷۴

۱۴۔ شبلی نعمانی، مقالات شبلی ،دارالمصنفین اعظم گڑھ،انڈیا۱۳۴۹ھ/۱/۱۷۴

۱۵۔ مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی، کفایت المفتی (کتاب السیاسیات) سکندر علی دستگیر کالونی کراچی ۹/۳۸۱-۳۸۲

۱۶۔ فتاویٰ عزیزی (اردو ترجمہ) ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۸ھ ص ۵۹۹-۶۰۰

۱۷۔ ایضاً ص ۶۰۰

۱۸۔ ایضاً ص ۶۰۰-۶۰۱

۱۹۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی، مجموعۃ الفتاویٰ (اردو ترجمہ) شہزاد پبلشرز، انارکلی لاہور ت-ن ۲/۲۵۸-۲۵۹

۲۰۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل، پروگریسو بکس اردو بازار، لاہور ت-ن ۱/۲۳۹

۲۱۔ سہ ماہی مجلّہ بحث ونظر نئی دہلی انڈیا، شمارہ نمبر ۱۳/۵۱ (اکتوبر-دسمبر ۲۰۰۰ء)، مقالہ غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے مسائل، ص ۵۳-۵۴

۲۲۔ مفتی محمد تقی عثمانی، فقہی مقالات، میمن اسلامک پبلشر کراچی ۱۹۹۴ ۱/۳۶۵

۲۳۔ سید نذیر حسین دہلوی، فتاویٰ نذیریہ، اہل حدیث اکیڈمی، کشمیری بازار، لاہور ۱۹۷۱ء ۲/۲۰۵

۲۴۔ مولانا گوہر رحمٰن، تفہیم المسائل، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، ۱۹۹۸ء ۳/۲۰۳

۲۵۔ سورۃ النساء: ۱۴۸

۲۶۔ ہیثمی، نورالدین (م ۸۰۷ھ) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، باب ماجاء فی اذی الجار، دارالکتاب العربی، بیروت ۱۹۶۷ء ۸/۱۷۰

۲۶-A۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الجامع، (ابواب الفتن) نور محمد کراچی، طبع کلاں، ص ۳۱۶

۲۷۔ سورۃ البقرہ ۲: ۲۰۵

۲۸۔ القرطبی، ابوعبداللہ (م ۶۷۱ھ) الجامع لاحکام القرآن، مؤسسہ مناھل العرفان، بیروت، ت-ن ۳/۱۸

۲۹۔ مولانا ظفر احمد عثمانی، امداد الاحکام (تکملہ امداد الفتاویٰ) مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۲۰۰۵ء ۴/۳۹۱

۳۰۔ ولی الدین ابوعبداللہ الخطیب، مشکوٰۃ المصابیح (کتاب الزکوٰۃ-آخر الفصل الاول) طبع کلاں سعید کمپنی کراچی، ص ۱۵۶

۳۱۔ مفتی رشید احمد، احسن الفتاویٰ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۲۲ھ ۶/۱۲۵-۱۲۶

۳۲۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: مفتی محمد شفیع، امداد الفتاویٰ، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۱۳۹۳ھ ۶/۲۰۱ تا ۲۰۹

۳۳- مفتی رشید احمد، احسن الفتاوی ۶/۱۲۶-۱۲۷ (بحوالہ افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ، ص ۲۸-۲۹- الافاضات الیومیہ ۳/۳۰ ملفوظ نمبر ۱۴)

۳۴- الفتاوی الہندیہ: کتاب الکراہیۃ فی الاکل- ۴/۱۰۲-۱۰۳ (بحوالہ مولانا خالد سیف اللہ، جدید فقہی مسائل ۱/۲۶۷)

۳۵- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل ۱/ ۲۶۷

۳۶- مجلّہ احکام العدلیہ (دفعہ/ قاعدہ نمبر ۲۱) ص ۱۸

۳۷- ایضاً (دفعہ/ قاعدہ نمبر ۲۸) ص ۱۹

۳۸- رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) تحت سورۃ یوسف: ۵۵، مطبعۃ البھیہ، مصر ۱۹۲۸ء، ۱۸/۱۶۱

۳۹- تفصیل کیلئے دیکھئے: مولانا صفدر زبیر ندوی، تلخیص مقالات: غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا ص ۱۲ تا ۲۳

۴۰- مفتی محمد شفیعؒ، جواہر الفقہ، مکتبہ دار العلوم کراچی، فروری ۱۹۹۹ء ۲/۳۰۰

سنن ابی داؤد میں یہ روایت ''کتاب الملاحم،، اور جامع ترمذی میں ''ابواب الفتن،، کے اندر آئی ہے- مقالہ نگار-

۴۱- دیکھئے: سنن ابی داؤد اصح المطابع کراچی، طبع کلاں ۲/۵۹۹- اور جامع ترمذی نور محمد کراچی طبع کلاں ص ۳۱۶

۴۲- مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، فقہی مقالات، میمن اسلامک پبلشرز کراچی ۱۹۹۶ء، ۲/ ۲۸۸

۴۳- دیکھئے: ایضا، ص ۲۸۹-۲۹۹

۴۴- دیکھئے: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مقالہ غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے مسائل سہ ماہی مجلّہ بحث ونظر، شمارہ نمبر ۱۳/ ۵۱ ص ۴۰

۴۵- حدیث ہذا کے اصل الفاظ ہیں ''قال قال لی رسول اللہ ﷺ یاعبدالرحمن لاتسال الامارۃ فانک ان اعطیتھا عن مسالۃ وکلت الیھا وان اعطیتھا عن غیر مسالۃ اعنت علیھا،،

ملاحظہ ہو: صحیح مسلم (کتاب الامارۃ باب النہی عن طلب الامارۃ والحرص علیھا) قدیمی کتب خانہ کراچی، طبع کلاں ۲/۱۲۰

۴۶- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مقالہ: "غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے مسائل"، سہ ماہی مجلّہ بحث ونظر، شمارہ نمبر ۱۳/۱۵ ص ۴۱

۴۷- مولانا گوہر رحمٰن، تفہیم المسائل، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، ۱۹۹۸ء ۳/۱۵۵